

سوال نمبر ۱: کیا کوئی نظام [حکومتی یا ذیلی] ہر قسم کے عقائد یا نظریات کی صفات سے عاری ہو سکتا ہے؟

اس سوال کو اٹھانے والوں کی مثال جہم بن صفوان اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں جیسی ہے جنہوں نے اپنے تئیں سرے سے ہی اللہ کی صفات کا انکار کر دیا اور کہا کہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کی جائے؛ صفات کے اثبات کی صورت میں توحید ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور متعدد خداؤں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ جیسے جہم کا یہ قول باطل تھا اور کوئی ذات صفات سے عاری نہیں ہو سکتی اسی طرح کوئی بھی نظام [حکومتی یا اس کا ذیلی] جو بذات خود محض ایک صفاتی وجود رکھتا ہے اس کا کسی بھی عقیدہ یا نظریہ سے خالی ہونا ناممکن ہے؛ ذہنی طور پر اگرچہ ممکن ہو لیکن ذہن کا کیا ہے وہ تو محال چیزوں کو بھی فرض کر لیتا ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا اسلامی معاشرتی، معاشی، سیاسی، تعلیمی، عدالتی وغیرہ جیسے نظام غیر اسلامی یا لاندہب حکومتی نظام کے ماتحت ممکن ہیں؟

ہر حکومتی نظام کسی مخصوص مجموعہ عقائد یا نظریات کا علم بردار ہوتا ہے اور اپنے ذیلی نظاموں یعنی معاشرتی، معاشی، سیاسی، تعلیمی، عدالتی وغیرہ کے ذریعے ان عقائد و نظریات کو عملی شکل میں نافذ کرنے میں کوشاں ہوتا ہے۔ جس طرح اسلامی حکومتی نظام اپنے ذیلی نظاموں میں انہیں عقائد اور نظریات کو تحفظ دے گا جس کا وہ علم بردار ہے اسی طرح غیر اسلامی یا لاندہب حکومتی نظام بھی اپنے ذیلی نظاموں میں اسلامی عقائد و نظریات کی صرف اس شکل کو برداشت کرے گا جو اس کے اپنے وجود کے لیے خطرہ نہ ہوں۔

کسی غیر اسلامی حکومتی کے ماتحت ذیلی اسلامی نظاموں کا نظریہ مباحث کا مرکز نظر تو ہو سکتا ہے اور شاید اس نظریہ کا قائل اپنی چرب زبانی کے باعث اپنے مخالف کو زچ بھی کر لے مگر اپنی حقیقت میں اسی طرح بے معنی ہے جس طرح کسی نظام کا عقیدہ یا نظریات سے عاری ہونا۔

سوال نمبر ۳: کیا حکومتی نظام کا اسلام کے تابع ہونے کا عقیدہ ضروریاتِ دین^[۱] میں سے ہے؟

چونکہ ضروریاتِ دین سے مراد وہ تمام قطعی اور یقینی امور دین مراد ہیں جن کا دین رسول ﷺ سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہو تو حکومتی نظام کا اسلام کے تابع ہونے پر دلائل قرآن اور حدیث میں اس تو اتر سے بیان ہوئے ہیں کہ یہ مضمون ان کے مکمل احاطہ کا متحمل نہیں ہو سکتا؛ لیکن کسی بھی صحیح عقل و سلیم فطرت انسان کے لیے قرآن کی یہی آیت کافی ہے؛

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ [سورة الانبياء؛ ۲۲] اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں خدائے مالک عرش ان سے پاک ہے۔

زمین اور آسمان دونوں کا امن؛ سلامتی؛ سکون اور مکمل ہم آہنگی کا تصور فقط اس نقطہ میں پنہاں ہے کہ اس کائنات میں کل اور واحد حق کا ماخذ اللہ سبحان و تعالیٰ کو مانا جائے؛ چنانچہ جب بھی انسان اُس کے عطا کیے ہوئے نظام کے علاوہ کسی دوسرے نظام کو حق تصور کرے گا تو اُس کا لازمی نتیجہ زمین پر فساد کی صورت میں ہو گا۔

اور اس کے مد مقابل یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ نے انسان کو کوئی نظام عطا ہی نہیں کیا ہے اتنا لغو، بے ہودہ اور اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے کہ قابل توجہ ہی نہیں ہے۔

^[۱] مزید تفصیل کے لیے "بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو" [حصہ اول]؛ ضروریاتِ دین کی حقیقت [کاوش نمبر ۵] "کا مطالعہ فرمائیں۔

سوال نمبر ۴: کیا اسلامی حکومتی نظام کے بغیر مکمل اسلام پر عمل درآمد ممکن ہے؟

ہر انسان کی زندگی تین دائروں میں تقسیم ہے؛ انفرادی، باہمی اور اجتماعی زندگی۔ اور ہر حکومتی نظام اپنے ذیلی نظاموں کے ذریعے انہی تینوں دائروں سے مخاطب ہوتا ہے۔ عموماً ہر غیر اسلامی یا لامذہب حکومتی نظام محدود حد تک اپنے باسیوں میں ان کے انفرادی اور باہمی معاملات میں آزادی کا علم بردار ہوتا ہے لیکن اس رویے میں وہ کسی مخصوص تصور خیر کو دوسرے تصور خیر پر ترجیح نہیں دیتا اور سب کو مساوی حق کا درجہ دیتا ہے۔

قرآن بھی مندرجہ ذیل آیات^[۱] میں انہی تین دائروں کا ذکر کرتے ہوئے فقط اپنے بیان کردہ تصور خیر کو ہی واحد حق کے طور پر بیان کرتا ہے اور اپنے پیروکاروں سے بھی صرف اُسی کا ہی متقاضی ہے اور نافرمانی کی صورت میں ان کو "الکافرون"، "الظالمون" اور "الفاسقون" کے القاب سے نوازتا ہے۔

اجتماعی دائرہ:

إِنَّا أَنْزَلْنَا الشُّرَاقَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَجْكُرُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَابُ بِمَا اسْتَخْفُظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَخَشَوُا اللَّهَ فَقِيلًا وَمَنْ لَمْ يَجْكُرْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ [سورة المائدة؛ ۴۴] بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے اُسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اُس پر گواہ تھے (یعنی حکم الہی کا یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

باہمی دائرہ:

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَجْكُرْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [سورة المائدة؛ ۴۵] اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہو گا اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں۔

انفرادی دائرہ:

وَقَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الشُّرَاقَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الشُّرَاقَ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۚ وَلِيَجْكُرْ أَهْلَ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَجْكُرْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [سورة المائدة؛ ۴۶، ۴۷] اور ان پیغمبروں کے بعد انہی کے قدموں پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے اور ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلی کتاب (ہے) تصدیق کرتی ہے اور پرہیزگاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے۔ اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام خدا نے اس میں نازل فرمائے ہیں اُس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرماں ہیں۔

[۱] ان آیات کی مزید تفصیل کے لیے "بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو" [حصہ اول]؛ شریعت کی حقیقت [کاوش نمبر ۱۱] "کا مطالعہ فرمائیں۔

ان میں سے کسی بھی دائرہ کی کُلّی یا جزوی طور پر غیر موجودگی قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کی تکمیل میں رکاوٹ ہے؛

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلَاحِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ [سورة البقرة؛ ۲۰۸] مومنو! اسلام میں پورے

پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

سوال نمبر ۵: کیا حکمرانوں کا اسلامی معاشروں میں غیر اسلامی قوانین کا نفاذ کفر حقیقی ہے یا کفر مجازی؟

اسلامی تاریخ اور بالخصوص دور حاضر میں اس مسئلہ پر انتہائی تفصیلی کام مرتب کیا گیا ہے اور دونوں طرف کے دلائل میں اصل اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ کیا غیر اسلامی قوانین کے نفاذ سے مسلمان حکمران کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ورنہ جیسا کہ کسی بھی فلسفہ کو دین پر ترجیح دینا نواقض اسلام [۱] میں سے ہے تو چنانچہ غیر اسلامی قوانین کے نفاذ کے عمل کے کفر ہونے پر سب علمائے حق کا اجماع ہے؛ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے اس عمل کا کفر ہونا واضح ہوتا ہے۔

[۱] مزید تفصیل کے لیے "سچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو [حصہ اول]؛ نواقض اسلام [کاوش نمبر ۱۲]" کا مطالعہ فرمائیں۔

اہل سنت کے فرقوں میں لفظی اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ کفر کے کئی مراتب بناتے ہیں جیسا کہ ایمان کے کئی مراتب ہیں۔ "کفر دون کفر" کی اصطلاح عام طور پر استعمال ہوتی ہے۔ دراصل یہ اختلاف اس لیے رونما ہوا جب ایمان کی حقیقت بیان کرنے میں بعض نے کہا ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے؛ بعض نے اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا اگرچہ اس بات پر ان سب کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے کافر کہا ہے ہم بھی اُس کو کافر کہیں گے۔ اس لیے کہ یہ بات تو منہج ہے کہ اُس شخص کو جو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا؛ اُس کو اللہ اور اُس کا رسول ﷺ تو کافر کہتے ہیں لیکن ہم اُس کو کافر نہ کہیں البتہ ایمان کی مذکورہ تشریح کے مطابق اُس کا کفر عملی ہو گا اعتقادی نہیں۔ اور جس شخص نے ایمان کو صرف تصدیق قرار دیا ہے اور عمل کو ایمان کے مسٹی میں داخل نہیں کیا اور کفر کو مجرد [انکار کرنا] کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ ایمان اور کفر میں کمی بیشی کا قائل نہیں ہے۔ اُس کے نزدیک یہ کفر مجازی ہے اس لئے کہ کفر حقیقی تو وہ ہوتا ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ [شرح عقیدہ طحاویہ تالیف علامہ ابن ابی العز الحنفی ترجمہ مولانا محمد صادق خلیل؛ صفحہ نمبر ۳۱۰]

اور جہاں تک اُس حاکم کا معاملہ ہے جو غیر اسلامی قوانین کے نفاذ کا مرتکب ہے؛ مندرجہ ذیل اقتباس جامع انداز میں اُس کو بیان کرتا ہے؛

کلام اللہ کے فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرنا کبھی اُس کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دے گا اور کبھی صرف معصیت کا مرتکب ہو گا خواہ معصیت کبیرہ ہو یا صغیرہ اور کبھی کفر مجازی ہو گا اور کفر اصغر ہو گا۔ اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی مخالفت کرتا ہے کہ کتاب اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری نہیں، اس میں اختیار ہے یا باوجود اس بات کے کہ وہ یقین کے ساتھ اُس کو اللہ کا حکم سمجھتا ہے لیکن استخفاف [توہین، تذلیل، تحقیر، سبک سمجھنا یا کرنا] کے طور پر اُس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو یہ کفر

بہت بڑا کفر ہے۔ اور اگر اعتقاد تو یہ ہے کہ کلام اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے نیز وہ سمجھتا ہے کہ مخالفت کی صورت میں وہ عذاب خداوندی کا مستحق ہو گا تو

اس صورت میں کتاب و سنت سے اُس کا اعراض معصیت سمجھا جائے گا اور اُس کے کفر کو کفر مجازی یا کفر اصغر سمجھا جائے گا۔ اور اگر پوری کوشش کرنے کے

باوجود اُس کی نظروں سے کتاب و سنت کا فیصلہ مخفی رہا اور اُس نے خطا کرتے ہوئے کتاب و سنت کے خلاف قدم اٹھایا تو یہ **انسان خطا کار ہے**؛ اُس کو کوشش کرنے کی بنا پر

ثواب حاصل ہو گا اور اُس کی غلطی معاف ہوگی۔ [شرح عقیدہ طحاویہ تالیف علامہ ابن ابی العز الحنفی ترجمہ مولانا محمد صادق غلیل؛ صفحہ نمبر ۳۱۱]

اگر یہ مفروضہ برحق ہے کہ مسلمان ممالک کے حکمران بڑے کفر کے مرتکب نہیں ہیں تو یقیناً یا تو وہ غیر اسلامی قوانین کا نفاذ شدید احساس ندامت کی حالت میں کرتے ہیں اور یہ احساس ندامت توبہ کے نعم البدل کے طور پر ان کے اس نواقض اسلام کو گناہ کبیرہ میں بدل دیتا ہے؛ یا تیسری صورت میں پوری کوشش کے باوجود ان پر کتاب و سنت کا معاملہ مخفی رہ جاتا

ہے۔

سوال نمبر ۶: کیا اسلامی معاشروں میں رہائش پذیر مسلمان اسلام حکومتی نظام کی اقامت [قائم کرنا] کے مکلف ہیں؟

اس سوال کی تین صورتیں ہیں؛

اول صورت؛ عمومی طور پر اسلامی نظام موجود [یعنی عدالتی نظام کے ذریعے اجتماعی اور باہمی معاملات میں قرآن و سنت کی بالادستی] مگر حکمرانوں کا کفر مجازی کے نتیجہ میں غیر اسلامی قوانین کا نفاذ۔

اس صورت کے ایک حصہ کا جواب تفصیلی طور پر سوال نمبر ۵ میں بیان کیا جا چکا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ غیر اسلامی قوانین کے نفاذ کا عمل بذات خود کفر ہے اگرچہ علمائے حق کے درمیان حکمران کا بڑا کفر قطعی اور یقینی نہ ہو۔ ایسی صورت میں مندرجہ ذیل حدیث کی روشنی میں وہ حاکم اپنے کفر کی وجہ سے نہیں؛ اس کفریہ عمل کی وجہ سے مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری اور امامت سے معزول ہو جاتا ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ اُس کو تبدیل کر دیں؛

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو بلایا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی ہم سے بیعت لی وہ یہ تھیں، کہ ہم بیعت کرتے ہیں اس بات پر ہم اپنی خوشی اور اپنے غم میں اور تنگدستی اور خوشحالی، اور اپنے اوپر ترجیح دینے جانے کی صورت میں سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور حکومت کے لئے **حاکموں سے**

نزاع نہیں کریں گے لیکن اعلانِ کفر پر، جس پر اللہ کی طرف سے دلیل ہو۔ [صحیح بخاری - جلد سوم - فتنوں کا بیان - حدیث ۱۹۷۸]

دوم صورت؛ عمومی طور پر اسلامی نظام موجود [یعنی عدالتی نظام کے ذریعے اجتماعی اور باہمی معاملات میں قرآن و سنت کی بالادستی] مگر حکمرانوں کا کفر حقیقی کے نتیجہ میں غیر اسلامی قوانین کا نفاذ۔

یہ صورت اوپر بیان کی صورت سے آسان ہے کیونکہ ایسی صورت میں علماء کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمانوں پر حکمران نہیں بن سکتا نہ کسی مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ اسی لیے ابن المنذر کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کافر کسی بھی حال میں مسلمان کا والی و حکمران نہیں بن سکتا۔ [احکام الذمہ لابن القییم: ۴/۲۱۴]

تیسری صورت؛ عمومی طور پر غیر اسلامی نظام موجود [یعنی عدالتی نظام کے ذریعے اجتماعی اور باہمی معاملات میں قرآن و سنت کے بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی بالادستی]۔

یہ صورت اوپر بیان کی گئی دونوں صورتوں سے زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے کیونکہ پہلی دونوں صورتوں کا وبال ان حکمرانوں کے علاوہ معاشرہ کے اُس محدود طبقے پر پڑتا ہے جو ان غیر اسلامی قوانین کے نفاذ کی زد میں آتے ہیں؛ مگر یہ تیسری صورت طاغوت [۱] کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اس تیسری صورت کا وبال حاکم کے بفرض محال [ناممکن امر کو صحیح ماننے کے] مفتی اعظم ہونے کے باوجود معاشرہ کے ہر اُس شخص پر پڑتا ہے جو اس نظام سے اختیاری یا غیر اختیاری طور پر رجوع کرتا ہے۔

[۱] طاغوت کی مزید تفصیل کے لیے "بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو [حصہ اول]؛ طاغوت کی حقیقت [کاوش نمبر ۹]" کا مطالعہ فرمائیں۔

سوال نمبر ۷؛ میں کس حکومتی نظام کی صورت کا شکار ہوں؟

جو شخص دین کی باریکیوں کے سمجھنے سے قاصر ہے تو ظاہر ہے کہ اُس کی مسئولیت اُس شخص کی نسبت کہیں کم ہے جو نصوص کا تفصیلی علم رکھتا ہے اور فقہی باریکیوں کے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے چنانچہ ان تینوں صورتوں کی مزید اور تفصیلی وضاحت تو قرآن کی مندرجہ بالا آیت کے مطابق ان علمائے حق کی ذمہ داری ہے جو انبیاء کے وارث ہونے کے علم بردار ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا [سورة النساء؛ ۵۹] مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اگر

کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مال بھی اچھا ہے۔ [اس آیت کی تفسیر میں جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ یہاں "اولی الامر" سے مراد علمائے حق ہیں نہ کہ دنیاوی حکمران]

علمائے حق کے کندھوں پر آج یہ بڑی بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے قلم و گفتار اور مساجد کے منبر سے واضح کریں کہ میری طرح کا ایک عام مسلمان اوپر بیان کی گئی صورتوں میں سے کس صورت کا شکار ہے اور قیامت والے دن کی رسوائی سے بچاؤ کے لیے اپنے انفرادی دائرہ سے باہر اُس کا کیا عملی کردار ہونا چاہیے۔

علمائے حق سے چند اہم ترین سوالات

سوال اول؟؟؟ اگر آج ہم صورتِ اول یا دوم کے شکار ہیں تو کیا انفرادی طور پر مندرجہ بالا رسول اللہ ﷺ کی حدیث یا قرآن و حدیث پر مبنی علماء کے بیان کردہ اجماع پر عمل کریں یا وہ حدیث اور اجماع "اولو الامر" یعنی علمائے حق سے مخاطب ہے تاکہ تبدیلی حکمران فساد فی الارض کا باعث نہ بن جائے۔ **سوال دوم؟؟؟** اور اگر ہم تیسری صورت کے شکار ہیں جس میں معاشرہ کا ہر مسلمان بجائے کسی مفتی کے اپنے باہمی اور انفرادی معاملات اُس عدالتی نظام کی طرف لے جانے پر تکیہ کیے ہوئے ہے جس میں فوقیت قرآن و سنت کو حاصل نہیں ہے تو کہیں ہم اس آیت کے مصداق **[وہ شے جس پر کوئی مضمون صادق آئے]** تو نہیں ہیں؛

----- يُرِيدُونَ أَنِ يَتَخَفُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهَا ----- [سورة النساء؛ ۶۰] "وہ طاغوت کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اُس کے ساتھ کفر کریں۔"

سوال سوم؟؟؟ تو وہ کون سا عمومی مقام یا انتہائی مجبوری ہے جہاں طاغوت پرستی مجھ جیسے عام مسلمان کے لیے حلال ہو جاتی ہے؟

سوال چہارم؟؟؟ اور کیا اس نظام میں اپنے حق کو چھوڑ دینا افضل ہے یا اُس کے لیے اس عدالتی نظام کا سہارا لینا افضل ہے؟

سوال پنجم؟؟؟ اور کیا اس نظام کی تبدیلی میرے جیسے ایک عام مسلمان پر فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے یا مستحب ہے یا مباح

ہے؟

لا اله الا الله؛ لا اله الا الله؛ لا اله الا الله محمد رسول الله
اللهم صل على سيدنا محمد وعلى اله وصحبه وبارك وسلم تسليماً كثيراً

والسلام عليكم ورحمة الله

فرقان الدين احمد

furqanuddin@gmail.com

خصوصی نوٹ: معزز قاری انتہائی ادب سے آپ سے مندرجہ ذیل گزارشات ہیں؛

۱۔ اگر آپ اس مضمون کے مندرجات سے متفق ہیں تو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب تک پہنچانے کا فریضہ ادا کریں تاکہ اس نازک مسئلہ میں لاعلمی کہیں ہمیں آخرت میں خسارہ پانے والوں میں شامل نہ کر دے۔

۲۔ اگر آپ اس مضمون کے مندرجات سے متفق نہیں ہیں تو راقم کی اصلاح فرمائیے اور اس مضمون میں موجود غلطیوں کی نشاندہی فرما کر راقم پر احسان عظیم فرمائیے۔